بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

جب آبِ رواں بند ہوا فوجِ خدا پر　۱　فاقے کئی گزرے شہِ دیں کے رفقا پر
نرغہ ہوا دسویں کو امامِ دوسرا پر　　پیاسوں کا لہو بہنے لگا خاکِ شفا پر
پھولا تھا چمن دشت میں اولادِ علیؑ کا
باجوں کا اُدھر غل تھا اِدھر نادِ علیؑ کا

خاروں کی طرح گرد کھڑی تھی سپہِ شام　۲　کس شان سے تھا بیچ میں گل دستۂ اسلام
تھا شور کہ پیاسوں کو نہ پانی کا ملے جام　　سب تشنہ دہن قتل ہوں زہرا کے گل اندام
سادات کو ہاں نیزہ و شمشیر سے مارو
بچہ بھی جو آئے تو اسے تیر سے مارو

یہ شیر ہیں آغوش یداللہ کے پالے　۳　جو سب سے زبردست ہو ہاتھ اِن پہ وہ ڈالے
گھیرے رہیں پیاسوں کو سواروں کے رسالے　　نزدیک سے تلواریں چلیں، دور سے بھالے
ہاتھ آئے گا اس خوں کا صلہ تیغ زنوں کو
دم لینے کی فرصت نہ ملے بے وطنوں کو

ہیں اُنکے گلے قابلِ آبِ دمِ شمشیر ۴ دریا کو جو دیکھے کوئی پیاسا تو چلیں تیر
دنیا سے مٹادو اسد اللہ کی تصویر نازاں ہیں بہت اپنے علمدار پہ شبیرؑ
اک عشق ہے ہم شکل رسولؐ مدنی سے
چھیدو جگر اس چاند کا برچھی کی انی سے

ہاں بھائیو برباد کرو اس کی جوانی ۵ قاسم کو سمجھتے ہیں بزرگوں کی نشانی
یہ شیر ہیں کونین میں ان کا نہیں ثانی فرزندوں کو زینبؑ کے نہ دینا کہیں پانی
تیغ ان کے بزرگوں کی ہزاروں پہ چلی ہے
اک جعفرِ طیار ہے اور ایک علیؑ ہے

بگڑیں تو بہا دیں یہ ابھی خون کے نالے ۶ کس شان سے ہیں نیمچے ہاتھوں میں سنبھالے
زخمی ہوں کسی پیچ سے یہ گیسوؤں والے کاندھوں پہ بھلے لگتے ہیں کیا چھوٹے سے بھالے
تلواروں سے پھر بچ کے کدھر جائیں گے شبیرؑ
زینب نکل آئے گی تو مر جائیں گے شبیرؑ

تھوڑے سے جواں یاں کے بھی تھے مرنے پہ تیار ۷ واں ظلم پہ باندے تھا کمر لشکرِ کفّار
خاصانِ خدا متقی و زاہد و ابرار ذی قدر، جواں مرد، خوش اطوار و وفادار
آغوشِ محمد کا مکیں اُن کی طرف تھا
دنیا تو اِدھر جمع تھی، دیں اُن کی طرف تھا

پڑھتا تھا کوئی آیۂ نصرت طرفِ شاہ ۸ تا فتح کے سورہ کا مفسر کوئی ذی جاہ
بولا کوئی اب جلد کٹی جاتی ہے یہ راہ کہتا تھا کوئی ہنس کے توکّلتُ علی اللہ
گو رحم نہ یہ لشکرِ نا اہل کرے گا
اس پیاس کی سختی کو خدا سہل کرے گا

تھا سورۂ کوثر کسی پیاسے کی زباں پر ۹ مائل تھا کوئی سیرِ گلستانِ جناں پر
صدقے کوئی ہوتا تھا امامِ دوجہاں پر لڑکے بھی کھڑے تھے کئی کھیلے ہوئے جاں پر
تسبیحِ امامت کے عجب دانے ملے تھے
یا فاطمہ کی شمع کو پروانے ملے تھے

عاشق شہِ والا کے، مطیعِ اسداللہ ۱۰ سر دینے کو سب ہادیِ کونین کے ہمراہ
مستغنی و حق بین و حق آئین و حق آگاہ دنیا کو وہ دیندار سمجھتے تھے گزر گاہ
فاقوں میں توکل تھا جنابِ احدی پر
پڑتی تھی نظر اُن کی نعیمِ ابدی پر

خشکیدہ زبانوں پہ سخن شکر کا جاری ۱۱ معشوقِ امامِ دوجہاں عاشقِ باری
کوئی تو محدِّث، کوئی حافظ، کوئی قاری ہمرتبۂ سلمان و ابوذرِ غفاری
سمجھے ہوئے تھے تلخ وہ لذّاتِ جہاں کو
تھا چاشنئ فقر سے کام اُن کی زباں کو

گوفاقوں سے تحلیل تھے وہ صاحبِ توقیر ۱۲ موقوف نہ ہوتے تھے مگر نعرۂ تکبیر
دانائے جہاں، سیف زباں، صاحبِ شمشیر طینت میں وفاداروں کی تھی الفتِ شبیرؑ
دل تیروں سے زخمی ہوئے چھد چھد گئے سینے
سر رشتۂ تسبیح کو توڑا نہ کسی نے

ایک ایک مئے وحدتِ اللہ سے سرمست ۱۳ ثابت قدم و صفدرو جاں باز و زبردست
سرکائیں نہ سینوں کو جو سو تیر ہوں پیوست سمجھا کئے دنیا کی بلندی کو سدا پست
نے گھر کا، نہ اولاد کا، نہ مال کا غم تھا
غم تھا تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم تھا

۱۴
پانی کا مگر نام زبانوں پہ نہ لائے
کس شوق سے تلواروں کے پھل بھوک میں کھائے
ایسے بھی نمک خوار کسی نے نہیں پائے
آقا کی محبت میں وطن چھوڑ کے آئے
زِرہیں تنِ پُرنور میں شیروں کے پڑیں تھیں
آنکھیں سپہِ شام کی تیغوں سے لڑی تھیں

۱۵
کوئی سپرِ حفظ، کوئی جوشنِ بازو
پہلو میں کوئی اور کوئی پیشِ شہِ خوش خو
رخساروں پہ سنبل سے لٹکتے ہوئے گیسو
رخ چاند سے روشن تو بدن پھولوں سے خوشبو
تیروں نہ تلواروں سے منہ پھرتا تھا اُن کا
حضرت کے پسینے پہ لہو گرتا تھا اُن کا

۱۶
وہ پیاس کا صدمہ، وہ ضعیفی، وہ سِن و سال
کیا شانِ حبیب ابن مظاہر کا لکھوں حال
فرماتا تھا بھائی جسے خود فاطمہؑ کا لال
کیا رتبۂ اعلیٰ تھا زہے حشمت و اقبال
جو عشق تھا سلمان و ابوذر کو نبی سے
اِن کو وہی الفت تھی حسینؑ ابنِ علیؑ سے

۱۷
پروانۂ جاں باز بھی، شمعِ سحری بھی
انداز جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی
زاہد بھی، مجاہد بھی، نمازی بھی، جری بھی
ابرار بھی، دیں دار بھی، عصیاں سے بری بھی
طفلی سے یہ فوجِ شہِ نامی میں رہے تھے
ترسٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

۱۸
مرنے کو چلے کیا کہ چلی تیغ ہلالی
تھا وہ قدمِ گشتہ شجاعت سے نہ خالی
نعرہ یہ تھا ہر دم کہ نثارِ شہِ عالی
پسپا تھی وہ صف جس پہ نظر شیر نے ڈالی
صدقے ہوئے یوں لختِ دلِ ختمِ رُسُل پر
بلبل کبھی جس طرح فدا ہوتی ہے گل پر

وہ مومنِ کامل جو زمانے سے سدھارا ۱۹ حضرت کا جگر ہوگیا سینے میں دوپارا
فرماتے تھے روکر کہ نہیں صبر کا یارا افسوس کہ بچپن کا چھٹا دوست ہمارا
یوں روئے جدا ہونے پہ اُس تشنہ دہن کے
جس طرح سے روئے تھے جنازے پہ حسنؑ کے

مٹی میں ملایا جو مرقع وہ قضا نے ۲۰ سر دینے پہ تیار ہوئے شہ کے یگانے
دیکھا سوئے افلاک امامِ دوسرا نے تسبیحِ امامت کے بکھر نے لگے دانے
کیا قہر ہے تیر اُن پہ چلے فوجِ شقی کے
رشتے میں جو تھے احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کے

مقتل سے یہ خیمے میں خبر جاتی تھی ہر بار ۲۱ بے جاں ہوئے مسلم کے یتیمانِ وفادار
آخر ہوئی اولادِ عقیلِ جگر افگار پامال ہُوا لو چمنِ جعفرِ طیارؑ
لشکر میں تلاطم ہے امامِ ازلی کے
اب چلتی ہے تلوار نواسوں پہ علیؑ کے

تھی شکر کے سجدے میں یداللہ کی جائی ۲۲ فضہ نے خبر آکے یکایک یہ سنائی
سیدانیو لوٹی گئی زینبؑ کی کمائی دم توڑتے ہیں خاک پہ معصوم، دہائی
مرتے ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے بچے
ہے ہے مری آغوش کے پالے ہوئے بچے

سجدے سے جو سر حضرتِ زینبؑ نے اُٹھایا ۲۳ ہر بی بی کو خیمے میں تڑپتا ہوا پایا
گھبرا کے کہا کیا ہوا، کیوں شور مچایا جلدی کہو کیا زخم کوئی بھائی نے کھایا
کیوں پیٹتے ہو حال مِرا غیر ہے لوگو
اکبر مِرے فرزند کی تو خیر ہے لوگو

فرمایا کہ ہاں دونوں نے سر ماموں پہ وارے ۲۴ سب نے کہا دنیا سے گئے آپ کے پیارے
شادی ہوئی پروان چڑھے لال ہمارے صادق تھے وہ حق ماں کا ادا کر گئے بارے
تھا آج کے دن کے لئے پالا انھیں میں نے
شاہد رہیں سب، دودھ بھی بخشا انھیں میں نے

واں تیغو ں سے ہوتا تھا قلم گلشنِ حیدرؑ ۲۵ یہ سن کے ادھر بی بیاں سب پیٹتی تھیں سر
لاکھوں سے لڑا لختِ دلِ حضرتِ شبّرؑ مارے گئے عباس کے عینی جو برادر
تلواریں کلیجے پہ چلیں شاہِ زمن کے
ٹکڑے نہ ملے لاشۂ فرزندِ حسنؑ کے

آگے گئے روتے ہوئے عباسؑ علمدار ۲۶ بھاوج کے جو پرسے کو چلے سیدِ ابرار
ہمشیر کے قدموں پہ گرے دوڑ کے اک بار پردے سے لگی رو رہی تھی زینبؑ ناچار
فرمایا کہ اٹھو تو مری جان برادر
کیا کہنے کو آئے ہو میں قربان برادر

دنیا سے سفر کر گیا سب لشکرِ سرور ۲۷ کی عرض کی اے وارثِ ذُرّیتِ حیدرؑ
دیکھوں کسے دیتے ہیں رضا سبطِ پیمبرؑ باقی ہوں غلاموں میں تو میں، بیٹوں میں اکبرؑ
بڑھتا ہوں میں جس دم تو جھکا لیتے ہیں سر کو
دیکھا ہے کن انکھیوں سے کئی بار پسر کو

یہ ایک ندامت ہے مرے واسطے کیا کم ۲۸ میداں میں بڑے بھائی کا پیارا ہوا بے دَم
اکبرؑ بھی سدھارے تو کہیں کے نہ رہے ہم کیا جانیے کیا سوچتے ہیں قبلۂ عالم
ہوگا وہی جس امر میں کد آپ کریں گی
رہ جائے گی عزت جو مدد آپ کریں گی

خود عرض کروں شہ سے یہ مجھ کو نہیں یارا ۲۹ ہوگا نہ کسی اور سے اس درد کا چارا
ہاں آپ ذرا شاہ سے کردیں جو اشارا پھر کیا ہے سنور جائے ابھی کام ہمارا
حامی ہو تو دیر ایک دم، اک پل نہیں ہوتی
مشکل کوئی بے عقدہ کشا حل نہیں ہوتی

سن کر یہ سخن کہنے لگی زینبؑ ذی جاہ ۳۰ دلوادے بہن بھائی کو مرنے کی رضا آہ
اچھا میں کہوں گی پہ نہ مانیں گے کبھی شاہ بھائی سے نہ اٹھے گا یہ کوہِ غمِ جاں کاہ
مشکل ہے بہت گود کے پالے کی جدائی
آسان نہیں چاہنے والے کی جدائی

ہاں رخصتِ اکبرؑ ہو تو ہو اُن کو گوارا ۳۱ فرزند انھیں تم سے زیادہ نہیں پیارا
اک دم بھی جدا ہونے کا جن کو نہیں یارا کیوں کر کہوں وہ داغ اٹھائیں گے تمہارا
اوّل تو یقیں ہے کہ نہ اقبال کریں گے
مانا بھی، تو کیا جانیے، کیا حال کریں گے

یہ ذکر تھا جو شاہِ امم خیمے میں آئے ۳۲ روتے ہوئے ڈیوڑھی سے حرم خیمے میں آئے
اکبرؑ بھی بصد رنج و الم خیمے مس آئے عباسؑ بھی گردن کئے خم خیمے میں آئے
روئے جو حرم دیکھ کے اس خاصۂ رب کو
شبیرؑ نے ایک ایک کا پرسا دیا سب کو

جن جن کے پسر ہو گئے تھے دشت میں بے جاں ۳۳ اُن سوگ نشینوں سے یہ بولے شہِ ذی شاں
اے بی بیو! تم سب کے ہیں شبیرؑ پہ احساں سب بولیں کہ اے محسنِ عالم ترے قرباں
اولاد کے مر جانے کا کچھ غم نہیں ہم کو
اللہ زمانے میں رکھے آپ کے دم کو

روکرشہِ بے کس نے کہا یہ نہ کہو آہ ۳۴ مشتاقِ اجل ہوں، مجھے جینے کی نہیں چاہ
سب قافلے والوں نے تو فردوس کی لی راہ جو بچھڑے ہیں جلد اُن سے ملائے مجھے اللہ
اب ہم نہ کوئی داغِ غم و یاس اٹھائیں
لاشے کو مرے اکبرؑ و عباسؑ اٹھائیں

اکبرؑ نے کہا پہلے خدا ہم کو اٹھائے ۳۵ فرزند تو زندہ ہو پدر خوں میں نہائے
عباسؑ یہ بولے وہ گھڑی حق نہ دکھائے آقا پہ جو آنی ہو بلا ہم پہ وہ آئے
حضرت ہی ہمارے تنِ صد پاش اٹھائیں
خاک ایسی جوانی پہ کہ ہم لاش اٹھائیں

عباسؑ کا منہ ہنس کے لگے دیکھنے شبیرؑ ۳۶ فرمایا کہ جوش آگیا اے صاحبِ شمشیر
عباسِ علیؑ رونے لگے سن کے یہ تقریر شہ نے کہا سمجھاؤ ذرا بھائی کو ہمشیر
آنسو نہ بہاؤ کہ لہو گھٹتا ہے میرا
کیوں روتے ہیں یہ کیا ابھی سر کٹتا ہے میرا

زینبؑ نے کہا ان کا تو مطلب ہی جدا ہے ۳۷ شہ نے کہا فرمایئے ہمشیر وہ کیا ہے
کی عرض کہ ان کو طلبِ اذنِ وغا ہے حضرت نے کہا خیر، مناسب ہے، بجا ہے
اکبرؑ سے بھی پہلے سفرِ خلد کریں گے
جلدی انھیں کا ہے کی ہے کیا ہم نہ مریں گے

کل تک تو مرے عشق کا دم بھرتے تھے ہر بار ۳۸ رخصت کے لئے آج یہ رقّت ہے، یہ اِصرار
ہاں بھول گئے شوقِ شہادت میں مرا پیار پوچھو تمھیں، تھا ہم سے اور اُن سے یہی اقرار
بھائی نہیں جینے کا جو پہلو سے ہٹیں گے
یہ کس نے کہا تھا کہ گلے ساتھ کٹیں گے

۳۹
ان کی یہی دھن ہے کہ رضا پہلے ہی لیجئے
زینبؑ نے کہا آپ انھیں آزردہ نہ کیجئے
اب تو مری خاطر سے اجازت انھیں دیجئے
یہ غیظ میں ہیں جب سے ہوئے قتل بھتیجے
جاں باز ہیں، غازی ہیں، بہادر ہیں، جری ہیں
ناز ان کے اٹھا لیجے کہ اب یہ سفری ہیں

۴۰
عباسؑ گرے دوڑ کے بھائی کے قدم پر
یہ سنتے ہی سر شہ کا جھکا زانوئے غم پر
حضرت نے کہا رحم نہ آیا تمھیں ہم پر
سر پاؤں پہ تھا شاہ کے اور ہاتھ علم پر
چھوڑا ہمیں کیوں اے مرے محبوب برادر
تم جس میں خوشی، خیر، بہت خوب برادر

۴۱
سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوئے بے آس
خیمے میں ہوا غل کہ چلے حضرتِ عباسؑ
کیا کہتے ہو تم مجھ کو تو جانے دو چچا پاس
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا تب یہ بصد یاس
منہ شہ سے وہ موڑیں گے، نہ مانوں گی کبھی میں
عمو مجھے چھوڑیں گے، نہ مانوں گی کبھی میں

۴۲
دامن جو چھڑائیں تو کروں چاک گریباں
میں جیتی ہوں کیا ایسا چلا جانا ہے آساں
جائیں کبھی ایسے نہیں بی بی کے چچا جاں
عباسؑ کی زوجہ نے کہا سچ ہے میں قرباں
کیا جانئے کیا مشورے واں ہوتے ہیں بی بی
پر کچھ نہ کچھ ایسا ہے کہ سب روتے ہیں بی بی

۴۳
رستے میں کہیں گر پڑی، ٹھوکر کہیں کھائی
یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی شاہ کی جائی
جس وقت کہ ملتا تھا گلے بھائی سے بھائی
سرکاتی ہوئی بھیڑ کو اُس وقت وہ آئی
چلائی کہ سمجھی میں جہاں چُھپ کے چلے تھے
آتی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چُھپ کے چلے تھے

۴۴
اس پیاس میں لی واہ خبر خوب ہماری　بتلایئے جاتی ہے کدھر آج سواری
کیوں تم سے گلے مل کے پدر کرتے ہیں زاری　دم گُھٹتا ہے بولو تو چچا جان میں واری
برمیں ہے زرہ، تیغ لگائی ہے کمر سے
ہوتے ہو جدا کیا مرے مظلوم پدر سے

۴۵
ہم جاتے ہیں پانی کے لئے آؤ مری جاں　عباسؑ پکارے میں اس آواز کے قرباں
میں گھر سے تمھیں جانے نہ دوں گی کسی عنواں　دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ ناداں
بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہیں ہے

۴۶
میں قبلۂ کونین کی دولت کو ڈبوؤں　پانی کے لئے واہ تمھیں ہاتھ سے کھوؤں
اب روتی ہوں پانی کے لئے پھر تمھیں روؤں　شب ہوئے تو پھر کس کی بھلا چھاتی پہ سوؤں
ہے ہے شہِ بیکس کا رلانا نہیں اچھا
پیاس اچھی ہے، پر آپ کا جانا نہیں اچھا

۴۷
بولیں گے نہ پھر ہم، یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ　عباسؑ نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ
تم بھی پیو، اصغر کو بھی چلّو سے پلاؤ　قربان میں،کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاؤ
نیلے ہیں یہ لب، رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا
تم پیاس بجھا لو تو جگر سرد ہو میرا

۴۸
کیا کہتے ہیں سنئے تو چچا جان کی تقریر　کہنے لگی منہ دیکھ کے بابا کا وہ دل گیر
اب مشک بھی لادو انھیں، جو خواہش تقدیر　حضرت نے کہا یہ نہ رکیں گے کسی تدبیر
روکو نہ، کہ در پیش عجب راہ ہے ان کو
سقائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے ان کو

رُخصت ہوئے عبّاس محمدؐ کے خلف سے ۴۹ دی مشک جو حکمِ پسرِ شاہِ نجف سے
طالع ہوا خورشیدِ زمیں برجِ شرف سے غل خیمے میں رونے کا اٹھا چار طرف سے
کھولا علمِ دیں کو جو اُس بحرِ کرم نے
نعلین پہ سر رکھ دیا اقبال و حشم نے

قدموں سے رکابوں کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن ۵۰ گھوڑے پہ چڑھے آپ جو گردان کے دامن
اقبالِ سلیماں سے پری بن گیا توسن تیار تھا اُڑنے پہ اٹھائے ہوئے گردن
فتراک کو تھا فوق کہیں بالِ ہما پر
زین اس پہ نہ تھا، تختِ سلیماں تھا ہوا پر

غارت صفِ اعدا کا تجمّل ہوا رن میں ۵۱ آمد سے بہادر کی تزلزل ہوا رن میں
شیر آتا ہے یہ چار طرف غل ہوا رن میں لشکر کی ترقی کا تنزل ہوا رن میں
سب زیر و زبر مجمع مردُم نظر آیا
دریا بھی ہٹا، کچھ یہ تلاطم نظر آیا

تھرانے لگے کوہ، شجر خوف سے کانپے ۵۲ شیروں کے نیستاں میں جگر خوف سے کانپے
پریوں کے پرے دُور تھے، پر خوف سے کانپے حور و ملک و جن و بشر خوف سے کانپے
چلّا کے بنی جان تو پنہاں ہوئے در میں
سر قاف چھپانے لگے نقطوں کے سپر میں

وحشت ہوئی ایسی کہ ہرن بن میں نہ ٹھہرے ۵۳ ہلچل تھی کہ شیروں کے قدم رن میں نہ ٹھہرے
برسوں سے جو ساکن تھے وہ مسکن میں نہ ٹھہرے صحرا کے پرندے بھی نشیمن میں نہ ٹھہرے
غل تھا کہ یہ فوج اب غضبِ حق میں گھر گی
بھاگو نہیں بجلی کوئی ساعت میں گرے گی

ناگاہ بیابانِ بلا نور سے چمکا ۵۴ جوں پنجۂ خورشید، علم دور سے چمکا
عکس اس کا فزوں حسنِ رخِ حور سے چمکا تھا نور کا شعلہ کہ سرِ طور سے چمکا
کرتا تھا اشارہ کہ نہ کیوں نور فشاں ہوں
میں پنجتنِ پاک کے لشکر کا نشاں ہوں

تھی شان علیؑ چہرۂ انور پہ جری کے ۵۵ کلغی تھی عجب حُسن سے مغفر پہ جری کے
لہراتا تھا دامانِ علم سر پہ جری کے پھرتا تھا ہما فرق مُطہّر پہ جری کے
شانے پہ کماں، بر میں زرہ، تیغ کمر میں
دو لاکھ کا لشکر نہ سماتا تھا نظر میں

غل تھا کہ علمدارِ شہنشاہ کو دیکھو ۵۶ لو ماہِ بنی ہاشمِ ذی جاہ کو دیکھو
ہم صورت و ہم شانِ یداللہ کو دیکھو حیدرؑ کو نہ دیکھا ہو تو اس ماہ کو دیکھو
دستانے پہننے کا بھی دستور یہی تھا
نقشہ تھا یہی، حُسن یہی، نور یہی تھا

جب رن کو چلے حضرتِ عباسِ علمدار مطلع۲ دی پیک نے جاکر یہ خبر شمر کو اک بار
وہ شیر کہ اتری ہے جسے عرش سے تلوار ۵۷ اُس کا پسر آتا ہے خبردار! خبردار!
اب چمکے گی تلوار شجاعِ ازلی کی
آمد ہے بڑی دھوم سے عباسِ علیؑ کی

تشریف احد میں یونہی لائے تھے یداللہ ۵۸ خیبر میں اسی شان سے آئے تھے یداللہ
ہتھیار اسی دھج سے لگائے تھے یداللہ لاکھوں سے یونہی آنکھ ملائے تھے یداللہ
قبضے میں یونہی قبضۂ شمشیر دو دم تھا
کاندھے پہ اسی طرح محمدؐ کا علم تھا

تحریرِ سراپا پہ جو مائل ہوئی خاطر ۵۹ حورانِ مضامیں کی صدا آئی کہ حاضر
پر جس کی طرف دیدۂ حق بیں ہوئے ناظر ٹھہری کوئی شے قابلِ تشبیہ نہ آخر
دل نے کہا کیوں امر فضولی میں یہ کد ہے
دی عقلِ رسا نے یہ گواہی کہ سند ہے

کیا لکھے گا تو شاہ کے شیدا کا سراپا ۶۰ ادنیٰ سے مشابہ نہیں اعلیٰ کا سراپا
دشوار ہے عباسؑ سے آقا کا سراپا آسان ہے کچھ حُسن کے دریا کا سراپا
بہتر کوئی شے اور ہے نورِ ازلی سے
تشبیہ جب اس شیر کو دیجئے تو علیؑ سے

جس امر سے ہو خاص کو رغبت وہ کرے کام ۶۱ خوش ہو کے عوام اٹھیں تو پھر اس میں ہے کیا نام
دانا کو یہ لازم ہے کہ عائد نہ ہو الزام کیا لطف جو آغاز کا بہتر نہ ہو انجام
جلسہ نہیں، مظلوم کی یہ بزمِ عزا ہے
یاں رونے کی لذّت ہے، رلانے کا مزا ہے

واقف نہ حقیقت سے ہوئے نورِ خدا کی ۶۲ پیشانی کو خورشید کہا خوب ثنا کی
نافہم اچھلنے لگے، چپ ہوگئے باکی اشکوں نے بھی رک کر کہا یہ عین خطا کی
ہمسر کیا ذرّے کو رخِ بازوئے شہ کے
کھولے دُرِ شہوار بھی پنجے سے مژہ کے

ابرو کو کماں کہتے ہیں، اس فہم کے قربان ۶۳ ابرو بھی جگر گوشۂ حیدرؑ کے زہے شان
ممدوح کے رتبے کا بھی لازم ہے ذرا دھیان یہ اُس کے نواسے کے تنِ پاک کی ہے جان
جو شاہ ہے قوسین مکاں ارض و سما میں
فرقِ دو کماں جس میں رہا اور خدا میں

اِس کی تو بصارت نہیں، اُس کے نہیں ابرو　۶۴　کہتا ہے کوئی چشم کو نرگس،کوئی آہو
اس میں نہ یہ سبزہ، نہ یہ سرخی، نہ یہ خوشبو　　چہرے کو کہا گر گلِ مہتاب ہے یہ رُو
بے بو ہے وہ اک پھول یہاں باغ لگا ہے
ہر چیز میں بس ایک نہ اِک داغ لگا ہے

پوچھے کوئی، کوثر سے زباں کو بھی ہے دھویا　۶۵　مضمونِ دہن کے شعرا رہتے ہیں جویا
اسرارِ الٰہی سے بھی واقف ہوئے گویا　　غنچہ جو کہا لطفِ سخن اور بھی کھویا
ہیں عقدہ کشا منہ سے جو بولیں تو کھلے گا
اس عقدہ کو گر آپ ہی کھولیں تو کھلے گا

بتلاؤ گہر خوب ہیں یا عرش کے تارے　۶۶　دانتوں کو گہر، مرثیہ گو کہتے ہیں سارے
تاروں کو بھی صدقے فلک ان پر سے اتارے　　یہ دُرِّ نجف، وہ ہیں علیؑ کو جو ہیں پیارے
کیا وصف کریں ان کا سوا صلِّ علیٰ کے
گوہر نہیں، قطرے ہیں یہ سب نورِ خدا کے

اس مدح کے قابل نہیں ہے یہ دہنِ تنگ　۶۷　لب کو جو کہا لعل، یہ مضمون ہے بے رنگ
اعجاز مسیحا کا دکھائے تو کوئی سنگ　　بولو لبِ جاں بخش کا ہوتا ہے یہی ڈھنگ
قدرت نہیں ان ہونٹوں کے اوصاف کی ہم میں
یہ وہ ہیں کہ مُردوں کو جِلا دیتے ہیں دم میں

یہ سیبِ ذقن، یہ خط و خال اُس میں کہاں ہے　۶۸　قامت کو کہا سرو،تو چال اُس میں کہاں ہے
یہ رعب، یہ شوکت، یہ جلال اُس میں کہاں ہے　　یہ حُسن، یہ صورت، یہ جمال اُس میں کہاں ہے
گل ہو کہ ثمر بو نہیں یا بد مزگی ہے
ہر شے میں غرض ایک نہ اک شاخ لگی ہے

٦٩
زیبا غزل و شعر میں ہے وصفِ خط و خال
جو بات کہ مہمل ہو نہیں چاہیے اہمال
اب بڑھتے ہیں عباسؑ، صفیں ہوتی ہیں پامال
ہاں دیکھ کمیتِ قلم اچھی نہیں یہ چال
ہے جوشِ وغا ضیغمِ یزداں کے پسر کو
تلوار کو تولا ہے، سنبھالا ہے سپر کو

٧٠
کوفے کے قشوں ہرے کے پرے، شام کے دل ہیں
اعدا بھی ادھر مستعدِ جنگ و جدل ہیں
سب دشت میں نیزوں کے شجر، تیغوں کے پھل ہیں
صف باندھے ہوئے ترک کے اور روم کے یل ہیں
اونچا ہے ہر اک ہاتھ، سپر سر سے اٹھی ہے
گھنگھور گھٹا شام کے لشکر سے اٹھی ہے

٧١
غل طبل کا، قرنا کی وہ آواز ڈرانی
کالے وہ علم فوجِ سیہ رُو کی نشانی
تھی صاف صدا ہائے بہادر کی جوانی
شیروں کے کلیجے بھی ہوئے جاتے تھے پانی
بی کس شہِ دیں ہوتے تھے فریاد بجا تھی
شہنا میں بھی مظلوم حُسینا کی صدا تھی

٧٢
کس زرق سے، کس برق سے، کس شان سے نکلی
یاں تیغِ جگر بندِ علیؑ میان سے نکلی
اک تازہ پری تھی کہ پرستان سے نکلی
فریاد دلِ قومِ بنی جان سے نکلی
گل تھا کہ یہ کس چیز کا پرتو نظر آیا
حیرت ہے کہ دسویں کو مہِ نو نظر آیا

٧٣
تھرانے لگ کوہ اراضیِ عرب کے
نعرہ جو کیا شیر نے دل ہل گئے سب کے
ماہی سے ادھر گاوِ زمیں مل گئی دب کے
آثار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے
تھرائے صدا سن کے شجاعِ ازلی کی
جبریلؑ کو یاد آگئی آواز علیؑ کی

پھرّا گیا برچھوں ہی وہ گھوڑا دو رکابا ۷۴ شبدیز کو رانوں میں دلاور نے جو دابا
اترا تو دہانے کو عجب غیظ سے چابا تنگی سے قفس تھا اُسے دنیا کا خرابا
نے جست نظر آئی نہ کاوا نظر آیا
پھرتا ہوا لشکر میں چھلاوا نظر آیا

جس غول میں دو سو تھے وہاں سو نظر آئے ۷۵ پامال عدو وقتِ تگ و دو نظر آئے
جب جم کے اُڑا چار مہِ نو نظر آئے تارے دمِ شوخی و روارو نظر آئے
بجلی تو بلندی پہ، شرارے تھے زمیں پر
خورشید تو زیں پر تھا، ستارے تھے زمیں پر

اُستادِ شجاعت نے پڑھایا سبق الٹا ۷۶ سیدھی جو چلی تیغ، صفوں کا ورق الٹا
جبریلؑ پکارے کہ زمیں کا طبق الٹا چہرے جو کٹے دفترِ نظم و نسق الٹا
رکنے کا نہیں ہاتھ شجاعِ ازلی کا
دیکھو کہ نمونہ ہے یہی ضربِ علیؑ کا

کفار پہ وہ حملۂ حیدرؑ نہیں بھولا ۷۷ وہ معرکۂ غزوۂ خیبر نہیں بھولا
اب تک مجھے اس ضرب کا لنگر نہیں بھولا عرصہ ہوا پر صدمۂ شہپر نہیں بھولا
بہتا ہے لہو آگ بھڑکتی ہے زمیں پر
پھر آج وہی برق چمکتی ہے زمیں پر

صاف آئی صدا یہ کہ نہ غافل ہو کفن سے ۷۸ بڑھ کر صفِ ثانی پہ چلی تیغ جوسَن سے
سر طائرِ وحشی کی طرح اُڑ گئے تن سے راہی ہوئیں روحیں تو رہا ہو کے بدن سے
کب چُھٹتے ہیں شہبازِ اجل کے ہوں جو بس میں
مالک نے کیا بند جہنم کے قفس میں

۷۹ خوں پی کے برش تیغ نے پائی تھی غضب کی   حملے تھے قیامت کے، لڑائی تھی غضب کی
اس منہ کی صفائی پہ رکھائی تھی غضب کی   ہوتی تھیں صفیں صاف صفائی تھی غضب کی
چلنے میں مزا قامتِ معشوقِ حسیں کا
انداز ہر اک ناب میں تھا چیں بجبیں کا

۸۰ اک چشم زدن میں اسے مارا، اُسے مارا   کیا قہر تھا شمشیر کے ابرو کا اشارا
ہر ضرب میں تھے جان سے عاری ستم آرا   نے بھاگنے کی تاب تھی، نہ جنگ کا یارا
گر بچ گیا یہ اس کی بلا ٹل گئی اُس پر
منہ دیکھ لیا جس نے چھری چل گئی اُس پر

۸۱ شعلہ تھا خجل، گرد تھا بجلی کا چمکنا   کج ہو کے وہ چلنا، وہ ٹھہرنا، وہ لچکنا
گویا تھا تماشہ اسے کشتوں کا پھڑکنا   وہ دیدۂ جوہر سے جفا کاروں کا تکنا
ندّی کے قریں خون کا دریا سا بہا تھا
کیا چال غضب تھی کہ ہر اک لوٹ رہا تھا

۸۲ صرصر سے سبک دست، گراں قیمت و چالاک   بجلی کا چلن، شعلے کی خو، سرکش و بے باک
کج باز و سر انداز، ترش رُو و غضبناک   خوں خوار، جفا کار و ستم پیشہ و سفاک
خود آب مگر آگ لگا دینے کو آندھی
ہستی کے چراغوں کے بجھا دینے کو آندھی

۸۳ بجلی سی جو چمکی تو کلیجوں میں در آئی   بسمل ہوا، جس کو لچک اس کی نظر آئی
اٹھکھیلیاں کرتی ادھر آئی، اُدھر آئی   چورنگ کیا اِس کو، اُسے آٹھ کر آئی
حوروں میں یہ گرمی، نہ لگاوٹ یہ پری میں
بے دم کیا لاکھوں کو اسی عشوہ گری میں

اک دم بھی میانِ صفِ کفار نہ ٹھہری ۸۴ فولاد کی ڈھالوں پہ وہ تلوار نہ ٹھہری
خوں اتنے کئے اور گنہگار نہ ٹھہری سر سیکڑوں کاٹے کہیں زنہار نہ ٹھہری
مجرم رہی، سرکش رہی، بے باک رہی وہ
دھبہ نہ لگا خون سے بھی پاک رہی وہ

سر سے جو بڑھی گردنِ بے دیں پہ نہ ٹھہری ۸۵ کاٹی جو سپرِ مغفرِ سنگیں پہ نہ ٹھہری
اسوار تو دو ہو گیا یہ زیں پہ نہ ٹھہری چار آئینۂ ظالمِ خود بیں پہ نہ ٹھہری
پایا جو نہ اس دم پرِ جبریلِ امیں کو
گھوڑے سے اترتے ہی کیا چاک زمیں کو

پیتی تھی لہو دم بہ دم اور بجھتی نہ تھی پیاس ۸۶ پشتے ہوئے کشتوں کے پس و پیش چپ و راس
خود اس کا لہو پونچھتے تھے حضرتِ عباسؑ جب خون میں بھر جاتی تھی وہ پرچۂ الماس
بے وجہ نہ شمشیر کا منہ لال ہوا تھا
عباسؑ کی سرکار سے رومال ہوا تھا

پانی کی چمک دور سے دکھلانے لگی نہر ۸۷ ناگاہ بہادر کو نظر آنے لگی نہر
بڑھ کر خس و خاشاک کو سرکانے لگی نہر غازی کی قدم بوسی کو لہرانے لگی نہر
دریا کے حبابوں نے صدا دی یہ ابھر کے
آنکھوں پہ قدم ساقیٔ کوثر کے پسر کے

میں پہلے پھروں گرد یہ تھی خواہش گرداب ۸۸ ہر موج زیارت کے لئے ہوگئی بے تاب
آتا ہے ادھر بحرِ شرف کا دُرِ نایاب تھا مچھلیوں میں شور کہ نکلو پئے آداب
آمد جو سنی تھی خلفِ شاہِ نجف کی
گوہر تھے پڑے ہتھیلی پہ صدف کی

۸۹
جب گھوڑے کو دریا میں علمدار نے ڈالا لہرانے سے موجوں کے ہوا دل تہ و بالا
یاد آگئی بس تشنگیٔ سیدِ والا رقت بہت آئی تھی مگر دل کو سنبھالا
صدمے سے بھر آیا دلِ سقائے سکینہؑ
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے کہا ہائے سکینہؑ

۹۰
دریا کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ اے نہر سب آب و نمک خلق کا ہے فاطمہؑ کا مہر
انصاف کر انصاف، یہ کیا ظلم ہے کیا قہر شبیرؑ تو پیاسے رہیں، سیراب ہو سب شہر
اس پیاس کا جب ذکر پیمبرؐ سے کریں گے
شکوہ ترا ہم ساقیٔ کوثر سے کریں گے

۹۱
اے آب، محمدؐ کا پسر تشنہ دہن ہے اے آب، شہِ جن و بشر تشنہ دہن ہے
گلزارِ نبیؐ کا گلِ تر تشنہ دہن ہے دو روز سے سب شاہ کا گھر تشنہ دہن ہے
گرمی میں اگر آج بھی پانی نہ پئیں گے
میں جن کا بہشتی ہوں وہ پیاسے نہ جئیں گے

۹۲
دریا سے یہ فرما کے بہادر نے بھری مشک بالیدہ ہوئی دیکھ کے پانی کی تری مشک
تسمے سے دہن باندھ کے ہرنے پہ دھری مشک غل پڑ گیا دیکھو لئے جاتا ہے جری مشک
دیکھا جو مہیائے ستم بے ادبوں کو
دریا بھی لگا کاٹنے غصے سے لبوں کو

۹۳
گرداب سے اک حلقۂ ماتم تھا نمودار پانی کے لئے لہر ہر اک بن گئی تلوار
سب مچھلیاں ابھری ہوئی کہتی تھیں یہ ہر بار لو ڈوبتا ہے خوں میں علیؑ کا دُرِ شہوار
دو چار قدم بھی نہ بڑھے تھے لبِ جُو سے
پھر تیروں کا مینھ پڑنے لگا فوجِ عدو سے

دریا تو اِدھر اوراُدھر لشکرِ قہّار ۹۴ مشکیزہ لیے بیچ میں تنہا وہ علم دار
تلواروں کی تھیں بجلیاں اور تیروں کی بوچھار جا سکتے تھے آفت میں نہ اِس پار سے اُس پار
طوفاں تھا، تلاطم تھا، مصیبت کی گھڑی تھی
کیا پیاسوں کی کشتی بھی تباہی میں پڑی تھی

ہوتا تھا ادھر خاتمۂ جنگِ علم دار ۹۵ بسمل سے تڑپتے تھے ادھر سیدِ ابرار
اٹھ کر کبھی تکتے تھے سوئے فوجِ ستم گار گر کر کبھی چلّاتے تھے ہے ہے مرے غم خوار
بھائی کی صدا سن کے تڑپ جاتی تھی زینبؑ
جب روتے تھے حضرت تو نکل آتی تھی زینبؑ

کہتی تھی کہو صدقے گئی کچھ خبر آئی ۹۶ شہ کہتے تھے ہمشیر جدا ہوتا ہے بھائی
دریا سے وہ نکلا تھا مگر راہ نہ پائی مشکیزہ کے لے آنے پہ ہوتی ہے لڑائی
خونخواروں میں وہ صاحبِ شمشیر گھرا ہے
دریا کی ترائی میں مرا شیر گھرا ہے

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ ۹۷ کیوں بی بیو بچے مرے کیا ہوگئے بے آس
کیا کہتے ہیں شاہِ شہدا، کس سے ہوئی یاس اے وائے مقدر نہ سکینہؑ کی بجھی پیاس
کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب مرا منہ دیکھ کے کیوں روتے ہو لوگو

عباسؑ سلامت ہیں تو آنسو نہ بہاؤ ۹۸ آجائے گا پھر غش، نہ سکینہؑ کو رلاؤ
ثابت ہے جو مرنا، مجھے رنڈ سالہ پہناؤ ڈیوڑھی پہ چلو، ماتمی صف گھر میں بچھاؤ
خود کہہ کے گئے تھے وہ سلامت نہ پھریں گے
عباسؑ بس اب تا بہ قیامت نہ پھریں گے

واں چلتے تھے عباسِ علیؑ پر تبر و تیر ۹۹ ماتم تھا ادھر گھر میں، ادھر روتے تھے شبیرؑ
ہر سمت سے امڈا ہوا تھا لشکرِ بے پیر دریا سے بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
ساحل پہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی
لشکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی

ہمدرد نہ کوئی، نہ مددگار کوئی پاس ۱۰۰ کس کس سے لڑے تشنہ دہانی میں وہ بے آس
اِن سب سے سوا مشک کے چھد جانے کا وسواس وہ فوج کا نرغہ، وہ ہجومِ الم و یاس
بڑھتے تھے کماندار تو رک جاتے تھے عباسؑ
تیر آتا تھا جب، مشک پہ جھک جاتے تھے عباس

شمشیر بکف بیچ میں ابنِ اسداللہ ۱۰۱ فریاد کہ تھے لاکھ لعیں روکے ہوئے راہ
شاخِ شجر باغِ علیؑ قطع ہوئی آہ پیچھے سے پڑی تیغِ ستم دوش پہ ناگاہ
اک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغِ دو دم کے
اک ہاتھ تھا باقی وہ چلا ساتھ علم کے

عباسؑ نے جھک کر اسے گردن سے سنبھالا ۱۰۲ گرنے لگا جس دم علمِ سیّدِ والا
بند آنکھیں ہوئیں، منہ سے لہو شیر نے ڈالا اک تیر لگا چشم پہ اور سینے پہ بھالا
خم تھے کہ پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا
شق ہوگیا سر حضرتِ عباسِ علیؑ کا

سر پھٹ گیا پر مشک کو دانتوں سے نہ چھوڑا ۱۰۳ کچھ گرزِ گراں بار کا صدمہ نہیں تھوڑا
پھر تیر نے مشکیزے کو اور سینے کو توڑا زیں سے جو گرے آپ، کھڑا ہوگیا گھوڑا
پانی جو بہا عید ہوئی فوجِ عدو میں
مچھلی سے تڑپنے لگے عباسؑ لہو میں

ناگاہ یہ آوازِ علیؑ دشت سے آئی ۱۰۴ شبیرؑ خبر لے کہ تصدُّق ہوا بھائی
چلّائی یہ زینبؑ کہ دُہائی ہے دُہائی حضرتؑ نے کہا لٹ گئی بابا کی کمائی
تشریف شہِ ہر دوسرا لائے ہیں زینبؑ
عباسؑ کے لاشے پہ علیؑ آئے ہیں زینبؑ

جب کٹ گئے دریا پہ علمدار کے بازو مطلع ۳ شانوں سے جدا ہوگئے جرار کے بازو
ریتی پہ گرے شاہ کے غم خوار کے بازو ۱۰۵ تھرّانے لگے سیدِ ابرار کے بازو
رنگ اڑ گیا تصویر الم ہوگئے شبیرؑ
ہاتھوں سے جگر تھام کے خم ہوگئے شبیرؑ

اکبرؑ سے کہا کردو گریباں مرا پارا ۱۰۶ ہم سوگ میں ہیں قتل ہوا شیر ہمارا
عاشق مرے بچوں کا زمانے سے سدھارا فرما کے یہ حضرتؑ نے عمامے کو اتارا
آفت میں پھنسی پانی کی محتاج سکینہؑ
بس ہوگئی دنیا میں یتیم آج سکینہؑ

فرما کے یہ گرتے ہوئے دوڑے شہِ والا ۱۰۷ سنبھلے کبھی خود اور کبھی اکبرؑ نے سنبھالا
تھا سینۂ اقدس میں کلیجہ تہ و بالا چلاتے تھے ہے ہے مری آغوش کا پالا
آگے کبھی چلتے کبھی پھر پڑتے تھے شبیرؑ
گھبرا کے ہر اک لاش پہ گر پڑتے تھے شبیرؑ

کہتے تھے اٹھا کر یہ علی اکبرؑ ذی جاہ ۱۰۸ دریا کی ترائی تو ابھی دور ہے یا شاہ
فرماتے تھے آنکھوں میں بصارت نہیں اے ماہ عباسِ علیؑ کھو گئے دنیا سے ہمیں آہ
اب کھینچیں گے تلوار جو رستہ نہ ملے گا
اکبرؑ ہمیں کیا بھائی کا لاشہ نہ ملے گا

حضرتؑ کو سنبھالے ہوئے دریا پہ جو لائے ۱۰۹ عباسِ علمدار سسکتے نظر آئے
اکبرؑ نے کٹے ہاتھ تڑپتے ہوئے پائے بھائی کو خدا بھائی کا لاشہ نہ دکھائے
جھکنے جو لگے کانپ کے غش کر گئے شبیرؑ
ثابت علی اکبرؑ پہ ہوا مر گئے شبیرؑ

ہے ہے شہِ دیں کہہ کے جو روئے علی اکبرؑ ۱۱۰ صدمے سے تڑپنے لگے عباسؑ دلاور
گھبرا کے بھتیجے سے کہا اے مرے دلبر دکھلادو کدھر ہیں مرے آقا مرے سرور
اکبرؑ نے کہا غم شہِ والا کو بڑے ہیں
وہ آپ کے قدموں کی طرف غش میں پڑے ہیں

سرکا کے قدم جلد یہ عباسؑ پکارے ۱۱۱ پھیرو مرے لاشے کو میں قربان تمھارے
چھاتی میں ہے دم موت کے آثار ہیں سارے قبلے کی طرف چاہیے منہ اے مرے پیارے
بے دست ہیں اس وقت میں احساں کرو ہم پر
رکھ دو مرا سر قبلۂ عالم کے قدم پر

کیا میرے لئے روتے ہو بابا کو اٹھاؤ ۱۱۲ للہ زمیں سے شہِ والا کو اٹھاؤ
میں اٹھ نہیں سکتا، تمھیں مولا کو اٹھاؤ قدموں کی طرف سے مرے آقا کو اٹھاؤ
واجب پسرِ مصحفِ ناطق کا ادب ہے
قرآں کی طرف پاؤں، قیامت ہے، غضب ہے

غش میں یہ سخن سن کے پکارے شہِ ذی شاں ۱۱۳ یہ کس کی صدا ہے میں اس آواز کے قرباں
اکبرؑ نے کہا کب سے تڑپتے ہیں چچا جاں مل لیجئے عباسؑ کوئی دم کے ہیں مہماں
پھر ہو نہ سکا ضبط امامِ ازلی سے
لپٹے شہِ دیں لاشۂ عباسِ علیؑ سے

چلّائے بصد غم مرے بھائی، مرے بھائی　۱۱۴　کیا دل کا ہے عالم مرے بھائی، مرے بھائی
کیاں چشم ہے پُرنم مرے بھائی، مرے بھائی　　اکھڑا ہے ترا دم مرے بھائی، مرے بھائی
سینے میں اجل سانس ٹھہرنے نہیں دیتی
ہچکی تمھیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی

خشکیدہ زباں کو جو نہیں تاب کا یارا　۱۱۵　کچھ نرگسی آنکھوں سے کرو ہم سے اشارا
پُتلی بھی پھری جاتی ہے، منہ زرد ہے سارا　　معلوم ہوا جلد ہے اب کوچ تمھارا
کروٹ یہ نہیں، بھائی سے منہ موڑ رہے ہو
ہم خوب سمجھتے ہیں کہ دم توڑ رہے ہو

یہ کہتے تھے سرور کی قیامت ہوئی طاری　۱۱۶　عباسؑ علمدار کراہے کئی باری
اٹکا جو دم آنکھوں میں تو آنسو ہوئے جاری　　تن رہ گیا اور روح سوئے خلد سدھاری
چلّا کے جو شہ روئے تو گھبرائی سکینہؑ
نکلا تھا دم ان کا کہ نکل آئی سکینہؑ

یوں کہنے لگی دوڑ کے فضہ جگر افگار　۱۱۷　جاتی ہو کہاں تیر نہ مارے کوئی خونخوار
چلّائی بہن ڈیوڑھی سے یا سیدِ ابرار　　تھمتی نہیں اب ہم سے سکینہؑ جگر افگار
یا پھیر کے اس بیکس و بے آس کو لاؤ
یا ڈیوڑھی تلک لاشہِ عباسؑ کو لاؤ

گھبرا کے سوئے خیمہ لگے دیکھنے سرور　۱۱۸　دیکھا کہ چلی آتی ہے سر پیٹتی دختر
زلفیں تو ہیں بکھری ہوئی، مقنع نہیں سر پر　　جو روکتا ہے کہتی ہے گھبرا کے وہ مضطر
لوگو تمھیں کچھ میرے بہشتی کی خبر ہے
بتلا دو مجھے بہرِ خدا نہر کدھر ہے

تصویر علیؑ کی ہے سراپا وہ خوش اطوار ۱۱۹ سقے کا مرے نام ہے عباسِؑ علمدار
پیاسی ہوں، مگر اب مجھے پانی نہیں درکار کاندھے پہ تو مشکیزہ ہے اور ہاتھ میں تلوار
پھر آنے کی قسمیں انھیں دینے کو چلی ہوں
میں اپنے چچا جان کو لینے کو چلی ہوں

کیوں گھر سے نکل آئیں میں قربان تمھارے ۱۲۰ لاشے پہ عبا ڈال کے شبیرؑ پکارے
حضرتؑ نے کہا بھائی تو دنیا سے سدھارے گھبرا کے سکینہؑ نے کہا 'پیاس کے مارے'
میں تم کو اسی واسطے سمجھاتا تھا روکر
اب ڈھونڈھنے آئی ہو مرے بھائی کو کھوکر

دکھلادو مجھے لاشۂ عباسِؑ دلاور ۱۲۱ سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ چلائی وہ بے پر
حضرتؑ نے کہا لاشِ علمدار دکھا کر اکبرؑ نے کہا روکے، نہ مانے گی یہ مضطر
پانی کی تمنا میں ہزاروں سے لڑے ہیں
منہ دیکھ تو یہ شیر سے عباسؑ پڑے ہیں

حضرتؑ نے عبا بھائی کے چہرے سے اٹھائی ۱۲۲ میت سے لپٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی
ریتی میں علمدار نے بھی شکل چھپائی چلائی سکینہؑ کہ دُہائی ہے دُہائی
تھرّانے لگا لاشۂ سقائے سکینہؑ
لاشے سے بھی آئی یہ صدا ہائے سکینہؑ

اب جلد سوئے روضۂ شبیرؑ ہوں راہی ۱۲۳ خاموش انیسؔ اب یہ دعا کر کہ الٰہی
اُس در کی گدائی ہے مرے واسطے شاہی اب ہند میں کب تک یہ فقیری، یہ تباہی
سرکارِ شہنشاہِ فلک جاہ کو دیکھوں
عباسِ علمدار کی درگاہ کو دیکھوں